قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزول کے مطابق کیوں نہیں،

سوال :۔ قرآن مجید کو نزول کے مطابق کیوں نہیں لکھا گیا؟ قرآن مجید آپ کے زمانہ میں اکٹھا کر کے نہیں لکھا گیا، اس کی وجہ کیا ہے؟

شفیق الرحمٰن آثم میگلاڑی (سیالکوٹ)

جواب :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی نہیں لکھا کیونکہ آیتیں اترتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ فلاں آیت کو فلاں سورت میں رکھ دو اور فلاں آیت کو فلاں سورت میں حالانکہ کوئی سورت پہلے اتری ہوتی اور کوئی پیچھے۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت عثمانؓ سے سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیتوں کو مختلف سورتوں میں ترتیب دیتے تھے۔ اس بناء پر حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید کی تالیف میں مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن مجید کی موجودہ تالیف دی جو اس وقت عام ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی ترتیب اور ہے۔ یہ وجہ ہے کہ نزول کے موافق ترتیب نہیں ہوئی۔ اور طریقہ بھی یہی ہے مثلاً ڈاکٹر کے پاس مختلف بیماریوں کے بیمار آتے ہیں۔ اور وہ ان کو حسب حال نسخے دیتا ہے۔ لیکن جب کتابی صورت میں جمع کرے گا۔ تو سر کی بیماری یا پاؤں کی بیماری کی طرف سے شروع کرے گا۔ یا کوئی اور مناسب صورت دیکھے گا۔ ایسے ہی قرآن مجید کا حال ہے سورۃ فاتحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے شروع میں رکھی گئی ہے حالانکہ پہلے سورۃ اقرأ باسم ربك اتری ہے دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید اکٹھا کر کے لکھا گیا۔ لیکن لکھنے کی صورت اس وقت یہ تھی کہ کوئی حصہ کاغذ پر لکھ لیا۔ کوئی ہڈی پر۔ کوئی پتھر پر کوئی کھجور کی چھڑی پر اب ظاہر ہے کہ اس کی کتابی شکل نہیں بن سکتی ہے۔ متفرق چیزوں پر لکھا ہی تھا چنانچہ مشکوٰۃ وغیرہ میں اس قسم کی روایات بہت ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے جب کتابی صورت دی اور جن کے حوالے یہ کام کیا انہوں نے ان مختلف اشیاء سے جمع کیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور ۱۰ رمضان ۱۳۸۳ھ ۱ فروری ۱۹۶۴ء

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) مستحب ہونا نقل کیا ہے اور نواب صاحب نے دین خالص حصہ اول کے صفحہ ۲۴۳ میں جائز حسن اور مستحب لکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ستر ہزار آدمیوں کے بغیر حساب جنت میں داخل ہونے کی حدیث میں اس قسم کے دم مراد نہیں بلکہ وہ مکروہ دم مراد ہیں جو اپنے عملیات کی قسم سے ہیں جیسے جاہلیت میں یا زمانہ حال میں بہت لوگ کرتے ہیں خواہ شرک سے خالی ہوں پھر بھی ان کا ترک افضل ہے۔ ۱۲ منہ

قرآن مجید کی بات عقل کے خلاف ہونیکے وقت فیصلہ کی صورت

سوال: قرآن مجید میں ہے اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ۔ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا۔ اِن آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو بھی عقل ہی سے پرکھنا چاہیے اگر خدانخواستہ قرآن مجید کی کوئی بات ہماری سمجھ میں نہ آئے یا ہم اسے اپنی عقل کے خلاف سمجھیں تو فیصلہ کی کیا صورت ہوگی؟

جواب: سوال دو ہیں، ایک یہ کہ سمجھ میں نہ آئے۔ ایک یہ کہ عقل کے خلاف ہو سمجھ میں نہ آنے سے کسی چیز کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق قرآن مجید کا فیصلہ موجود ہے بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا جس کے علم کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے ہم روح کو جھٹلا دیں صرف اس بنا پر کہ ہمیں اس کی حقیقت معلوم نہیں۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جب تک کسی چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو تو اس کا انکار عقل کی کمزوری ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ قرآن مجید کی کوئی بات عقل کے خلاف ہو اس کا جواب یہ ہے کہ کئی دفعہ انسان اپنی کمزوری سے کسی بات کو اپنی عقل کے خلاف سمجھ لیتا ہے اور واقعہ میں وہ عقل کے خلاف نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کفار کہتے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ہڈی بوسیدہ ہو کر خاک میں مل جائے اور پھر وہ دوبارہ انسان بن جائے جیسے اللہ تعالیٰ سورہ یٰسین میں فرماتے ہیں۔ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ۔ یعنی انسان کہتا ہے کہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے جس حالت میں کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں — البتہ کوئی بات ہر ایک کی عقل کے خلاف ہو تو اس کو جھٹلایا جا سکتا ہے۔ مگر قرآن مجید میں کوئی ایسی بات نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۰ جمادی الاول ۱۳۸۹ھ جامع قدس چوک دالگراں لاہور

اولیاء الرحمان اور اولیاء الشیطان میں فرق

سوال: احقر کو چند ایک شبہات نے ورطۂ اضطراب میں ڈال رکھا ہے۔ یہ جب میرے دماغ میں انتہائی صورت میں مستحکم ہوتے ہیں تو میرا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے مبادا میں کہیں ہلاک ہو جاؤں، آپ میری پوری تشفی فرمائیں۔ ہمارے علاقہ میں ایک آدمی موسوم مہر شاہ گذرا ہے جس کی کرامات بین طور پر آج بھی ظاہر ہیں۔ جن کا شیطانی اولیاء سے ظہور پذیر ہونا ناممکن ہے اور یہ شخص شریعت

کا سخت دشمن تھا شراب نوشی کا عادی، افیون کا رسیا غرضیکہ کل خباثات اس کا معمول تھا نماز روزہ اور کرنا تو کجا بلکہ اس کی مخالفت کرتا تھا کتوں کے ساتھ ہمیشہ اکٹھا بیٹھ کر کھانا کھایا کرتا تھا۔ اس کے بغیر کھاتا ہی نہ تھا خواہ کتنے روز فاقہ کشی کرنی پڑے۔ اب میں اس کی کرامات سلسلہ وار بیان کرتا ہوں۔

کرامت ۱:۔ پیر مہر شاہ ایک گاؤں سے گذر رہا تھا، دو عورتوں نے اسے گھیرا اور بہت منت سماجت کی کہ ہمارے گھر اولاد نہیں ہمیں اولاد دو۔ پیر صاحب نے اردگرد دیکھا۔ تو ایک کاغذ نظر پڑا اس کو اٹھا کر ویسے ہی ایک کوئلہ سے لکھنے لگا۔ اور دو تعویذ تیار کئے۔ اور دونوں تعویذ اکٹھا کرتے وقت پھٹ گئے اور ایک ایک کر کے دونوں عورتوں کو بانٹ دیئے۔ اور کہا جاؤ تمہارے گھر سال کے اندر ایک ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ مگر ایک ایک آنکھ سے اندھے ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ دونوں لڑکے موجود ہیں جو اس وقت جوان ہیں۔ پیر کی زندہ کرامت دنیا دیکھ رہی ہے اور اس نے کہا تھا تعویذ پھٹنے کی وجہ سے کانے ہوں گے۔ فافہم

کرامت ۲:۔ پیر صاحب مذکور ایک آدمی کے ہاں وارد ہوئے۔ اور اس کو کہنے لگے۔ مجھے دودھ پلاؤ اس نے نہایت عاجزی سے عرض کی۔ پیر جی میری بھینس بھی حاملہ ہے۔ جب جنے گی تو پلاؤں گا پیر صاحب خاموش ہو کر چلے گئے چند دنوں کے بعد پھر پیر صاحب تشریف لائے تو اس کی بھینس سوئی ہوئی تھی۔ اس نے پیر صاحب کو سیراب کر کے دودھ پلایا۔ تو پیر صاحب نے دعا دی کہ جاؤ تمہارے گھر بھینسیں ہمیشہ مادہ ہی جنا کریں گی۔ اور بہت بڑھیں گی چنانچہ اب اس کے پاس چالیس بھینسیں ہیں اور مادہ ہی جنتی ہیں۔ اس دعا کے بعد کسی بھینس نے آج تک ایک نر بھی نہیں جنا۔ فافہم

کرامت ۳:۔ ایک مرید پیر صاحب کے پاس آیا اور کہا۔ فلاں گھر میری منگنی (نسبت) ہوئی ہے اور وہ مجھے اب رشتہ نہیں دیتے۔ پیر صاحب ان کے گھر گئے۔ انہوں نے نہ مانا۔ پیر صاحب نے بددعا دی کہ تمہاری لڑکی کو بے صبری کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اب وہ زندہ ہے۔ زنا کرانے سے سیراب ہی نہیں ہوتی جب دیکھو بازاروں میں پھرتی نظر آتی ہے۔ فافہم

کرامت ۴:۔ ایک گاؤں میں پیر صاحب گئے وہاں مچھر بہت کاٹتے تھے۔ لوگوں نے شکایت کی۔ پیر صاحب نے کہا مکانوں کے اندر سویا کرو۔ مچھر نہیں کاٹیں گے چنانچہ اب تک ایسے ہی ہوتا ہے جب لوگ اندر سوتے ہیں تو مچھر نہیں کاٹتے جب باہر سوتے ہیں مچھر ویسے ہی کاٹتے ہیں۔

سمجھے جاتے ہیں، حالانکہ شریعت کی رو سے کاہن کافر ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ خرق عادت پر ولایت کا مدار نہیں۔ ہاں ایمان اور پرہیزگاری کے بعد اگر کسی کے ہاتھ سے ایسا معاملہ ظاہر ہو جائے تو یہ اس کی کرامت ہے۔ اگر شریعت کا پابند نہیں اور پھر اس کے ہاتھ پر دجال کی طرح خرق عادت ظاہر ہو جائے۔ یا کاہنوں کی طرح اس کی پیش گوئی پوری ہو جائے یا خبر صحیح ہو جائے تو یہ کرامت نہیں بلکہ اس کو استدراج کہتے ہیں۔ یعنی آہستہ آہستہ پکڑنا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر خدائی انعام پورا ہو رہا ہے۔ اور در حقیقت وہ بوجہ سرکشی کے دوزخ کے قریب ہو رہے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے:-

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (۹/۱۲)

(ترجمہ) ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑتے ہیں کہ ان کو خبر نہیں ہوتی۔

اس کے علاوہ اکثر اس قسم کے قصے جھوٹے اور مصنوعی ہوتے ہیں۔ ان کی اصلیت کچھ نہیں ہوتی۔ ڈاڑھی منڈے فقیر شرع کے مخالف ایسے قصے جوڑ جوڑ کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ عوام کالانعام سن سن کر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ گدھی کے ساتھ بدفعلی کا قصہ کیسا افترا ہے ایسا فسق کر کے بھی پیر بنا رہے اور اس کی دعا بھی تیر بہدف ہو۔ ایسے قصہ کی عامی سے عامی بھی تصدیق نہیں کر سکتا۔ آپ کے لئے یہ خطرہ کا باعث کس طرح بن گیا۔

اسی طرح پیر مہر شاہ کی کرامت جھوٹ ہے۔ اگر تعویذ کے پھٹنے کا اثر پڑتا تو نصف دھڑ پر پڑتا صرف آنکھ پر پڑنے کا کچھ مطلب نہیں۔ اصل میں وہ اتفاقیہ کانے ہو گئے۔ شہرت دینے والوں کو ایک بہانہ مل گیا۔ کہ تعویذ پھٹنے کا اثر ہے۔ آپ ہمارا رسالہ "سماع موتیٰ" ملاحظہ کریں۔ آپ کی پوری تسلی ہو جائے گی انشاء اللہ

امام ابن تیمیہؒ کا خاص اس موضوع پر ایک رسالہ ہے اس کا نام ہے "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان" اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے وہ منگا کر ضرور مطالعہ کریں۔ عبداللہ امرتسری

غیر مسلم کے لئے قرآن مجید کا تعویذ

سوال:- غیر مسلم کو ایسا تعویذ دینا جائز ہے جس میں قرآن مجید کے الفاظ بسم اللہ وغیرہ ہوں؟

جواب:- اس سے پرہیز چاہئے حدیث میں ہے کہ دشمن کی زمین میں قرآن مجید لے جاؤ ایسا نہ ہو وہ اس کی بے ادبی کرے اور آیت کریمہ لا یمسہ الا المطھرون میں اس کی موید ہے کہ کافر کا ہاتھ قرآن مجید کو نہ لگنا چاہئے میرا عمل اسی پر ہے آیت کی بجائے اس کا ترجمہ لکھ کر دیتا ہوں یا کچھ اور۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ

سمجھے جاتے ہیں، حالانکہ شریعت کی رو سے کاہن کافر ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ خرقِ عادت پر ولایت کا مدار نہیں۔ ہاں ایمان اور پرہیزگاری کے بعد اگر کسی کے ہاتھ سے ایسا معاملہ ظاہر ہو جائے تو یہ اس کی کرامت ہے۔ اگر شریعت کا پابند نہیں اور پھر اس کے ہاتھ پر دجال کی طرح خرقِ عادت ظاہر ہو جائے۔ یا کاہنوں کی طرح اس کی پیش گوئی پوری ہو جائے یا خبر صحیح ہو جائے تو یہ کرامت نہیں بلکہ اس کو "استدراج" کہتے ہیں۔ یعنی آہستہ آہستہ پکڑنا۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر خدائی انعام پورا ہو رہا ہے۔ اور درحقیقت وہ بوجہ سرکشی کے دوزخ کے قریب ہو رہے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (پ۹)

(ترجمہ) "ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑتے ہیں کہ ان کو خبر نہیں ہوتی۔"

اس کے علاوہ اکثر اس قسم کے قصے جھوٹے اور مصنوعی ہوتے ہیں۔ ان کی اصلیت کچھ نہیں ہوتی۔ داڑھی منڈے فقیر شرع کے مخالف ایسے قصے جوڑ جوڑ کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ عوام کالانعام سُن سُن کر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں، کہ گدھی کے ساتھ بدفعلی کا قصہ کیسا افترا ہے ایسا فعل کر کے بھی پیر بنا رہے۔ اور اس کی دعا بھی تیر بہدف ہو۔ ایسے قصہ کی عامی سے عامی بھی تصدیق نہیں کر سکتا۔ آپ کے لئے یہ خطرہ کا باعث کس طرح بن گیا۔

اسی طرح پیر مہر شاہ کی کرامت جھوٹ ہے۔ اگر تعویذ کے چھٹنے کا اثر پڑتا تو نصف دھڑ پر پڑتا صرف آنکھ پر پڑنے کا کچھ مطلب نہیں، اصل میں وہ اتفاقیہ کانے ہو گئے۔ شہرت دینے والوں کو ایک بہانہ مل گیا، کہ تعویذ چھٹنے کا اثر ہے۔ آپ ہمارا رسالہ "سماع موتٰی" ملاحظہ کریں۔ آپ کی پوری تسلی ہو جائے گی انشاء اللہ

امام ابن تیمیہؒ کا خاص اس موضوع پر ایک رسالہ ہے اس کا نام ہے "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان" اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے وہ منگا کر ضرور مطالعہ کریں۔ عبداللہ امرتسری

غیر مسلم کے لئے قرآن مجید کا تعویذ

سوال:۔ غیر مسلم کو ایسا تعویذ دینا جائز ہے جس میں قرآن مجید کے الفاظ بسم اللہ وغیرہ ہوں؟

جواب:۔ اس سے پرہیز چاہئے حدیث میں ہے کہ دشمن کی زمین میں قرآن مجید لے جاؤ ایسا نہ ہو وہ اس کی بے ادبی کرے اور آیت کریمہ لا یمسہ الا المطھرون میں اس کی تردید ہے کہ کافر کا ہاتھ قرآن مجید کو نہ لگنا چاہئے میرا عمل اسی پر ہے آیت کی بجائے اس کا ترجمہ لکھ کر دیتا ہوں یا کچھ اور عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نورِ محمدی کی پیدائش

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس حدیث کی صحت کے بارہ میں کہ اللہ عزّ وجلّ نے سب سے اوّل آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے نُور کو پیدا کیا۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ . اور تمام مخلوق کو اس نور سے پیدا کیا۔

جیساکہ مدارج النبوت میں یہ وارد ہے۔

قولہ چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری وسائر مکنونات علوی وسفلی ازاں نور وازاں جوہر پاک پیدا شدہ وازارواح واشباح وعرش وکرسی ولوح وقلم وبہشت ودوزخ وملک وفلک وانس وجن وآسمان وزمین وبحار وجبال واشجار وسائر مخلوقات انور۔

کیا یہ اعتقاد اور ثانیاً یہ عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا نُور اللہ عزّ وجلّ کے نور سے پیدا ہوا از روئے شریعت مطہرہ مذہب محدثینؒ کی رو سے یہ روایت صحیح ہے؟

عبدالغنی خریدار تنظیم

جواب:- حدیث اوّل ما خلق اللہ نوری کے متعلق مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی حنفیہ کے سراج الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ کے صـ ۲۴۳ میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ الفاظ ثابت ہی نہیں عبدالرزاق نے اپنی تصنیف میں یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔

یَاجَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّكَ یعنی خدا نے اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا — یہ حدیث بہت لمبی ہے اس میں تمام علم علوی وسفلی کا اس نُور سے پیدا ہونا مذکور ہے — اس حدیث کے متعلق مولانا عبدالحی صاحب نے الآثار المرفوعہ کے صـ ۴۳ میں بحوالہ فتاوی ابن تیمیہؒ نقل کیا ہے کہ یہ حدیث بالاتفاق موضوع اور جھوٹ ہے۔ تاریخ ابن کثیر کا بھی حوالہ دیا ہے کہ اس میں ابن تیمیہؒ کی بات کو نقل کر کے قائم رکھا ہے گویا وہ بھی اس میں متفق ہیں۔ کہ یہ حدیث بالاتفاق موضوع ہے۔ اگر اس مسئلہ کی پوری تفصیل مطلوب ہو تو ہمارا رسالہ نُورِ محمدی کا مطالعہ کریں۔

عبداللہ امرتسری

۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۰ر جون ۱۹۳۹ء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے؟

سوال:- حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے وہ جھوٹا ہے اور دلیل آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ. یعنی اس کو آنکھیں دیکھ نہیں پاتیں پیش کی ہے ـــــ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت انسؓ کا مسلک یہ ہے کہ رَاٰی مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ (محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا) اور دلیل اس کی آیت فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (دو کمان قدر بلکہ اس سے نزدیک تر ہو گیا) پیش کی ہے. حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ اس آیت سے مراد جبرئیل علیہ السلام لیتے ہیں.

جو لوگ جواز رؤیت کے قائل ہیں. وہ آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ کا معنیٰ هُوَ الْاِحَاطَةُ بِالشَّيْءِ وَهُوَ قَدْرٌ زَائِدٌ عَلَى الرُّؤْيَةِ کے کرتے ہیں (شئے کا احاطہ جو رؤیت سے زائد چیز ہے) لیکن بفحوائے وَصَاحِبُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِيْهِ (؟) اَعْرَفُ بِالْمُرَادِ مِنْ غَيْرِهٖ (فتح جلد ۳ ص ۲۹۱ مصری) آیت کی مراد سے زیادہ واقف ہے. عائشہ رضہ کی دلیل عدم جواز رؤیت کے لئے قوی ہے اور حدیث ابو ہریرہ رضہ جو کہ مرفوع ہے اس میں یہ لفظ فَيُقَالُ لَهٗ هَلْ رَاَيْتَ اللّٰهَ فَيَقُوْلُ مَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّرَى اللّٰهَ (مشکوٰۃ ص ۳۷) اس کو کہا جائے گا کیا تو نے خدا کو دیکھا ہے ـــــــــــــ پس کہے گا کسی کو لائق نہیں. کہ خدا کو دیکھے) بھی قول عائشہ رضہ کی تقویت کرتی ہے.

غرض یہ ہے کہ آپ ان تمام ادلہ پر غور فرما کر اصل حقیقت سے آگاہ فرمائیں.

عبداللہ لائل پوری

جواب:- اس مسئلہ میں صحابہؓ کا اختلاف مشہور ہے ایک طرف حضرت عائشہ رضہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ وغیرہ ہیں. دوسری طرف عبداللہ بن عباس رضہ وغیرہ ہیں لیکن عبداللہ بن عباس رضہ سے مروی ہے. رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو اپنے دل سے دیکھا ہے.

دل کے دیکھنے سے بظاہر کشف مراد ہے. اس صورت میں صحابہؓ میں اختلاف نہیں رہتا کیونکہ جو انکار کرتے ہیں وہ رؤیت بصری سے انکار کرتے ہیں. اگر بالفرض اختلاف تسلیم کر لیا جائے. تو اس کا فیصلہ مرفوع حدیث

سے ہونا چاہیئے۔

فلما اختلف الصحابة وجب الرجوع الی المرفوع (فتح الباری جزء ۴ صفحہ ۴۸۶)

جب صحابہؓ کا اختلاف ہو گیا۔ تو مرفوع کی طرف رجوع واجب ہوا۔ اور مرفوع حدیث سے عدم رویت ہی ثابت ہوئی ہے۔

ابوذرؓ کہتے ہیں:۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے فرمایا نُورٌ اَنّٰی اَرَاہُ (مشکوۃ باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ) نور ہے میں کس طرح دیکھ سکتا ہوں۔ جو حدیث آپؐ نے سوال میں ذکر کی ہے وہ بھی اس کی مؤید ہے پس ترجیح اسی کو ہے۔ کہ دُنیا میں خدا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ا نبالہ ۹ صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۴۰ء

کیا حضورؐ جو چاہیں کر سکتے ہیں؟

سوال:۔ کیا رسول اللہ علیہ وسلم رب کی رضاء کے بغیر خود بخود جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً آپؐ نے درختوں کو بلایا۔ جڑ سمیت حاضر ہو گئے۔ مٹی میں روڑ بول اٹھے۔ پچاس نمازوں کے عوض پانچ کر دیں۔

محمد طاہر ولد مولوی صدر الدین سفیر مدرسہ غزنویہ

جواب:۔ خدا کی مرضی کے بغیر نبی کوئی کام نہیں کرتا نہ معجزہ نہ کوئی اور۔ درخت کی حدیث میں باذن اللہ کا لفظ ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر سے گم ہونا

سوال:۔ ایک مولوی صاحب نے مسئلہ بیان کیا۔ کہ ایک رات بی بی حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر نہیں ہیں۔ سب بیبیوں کے گھر تلاش کیا نہ ملے پھر مسجد میں دیکھا تو حضور علیہ السلام پیروں میں رسی ڈال کر چھت سے لٹکے ہوئے ہیں۔ مائی صاحبہ نے انہیں اپنی مبارک گود میں اٹھا لیا۔ دیر بعد حضورؐ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ جواب دیا کہ میں عائشہؓ۔ حضورؐ نے فرمایا کون عائشہؓ؟ کہا صدیق کی بیٹی فرمایا صدیقؓ کون؟ مائی صاحبہ نے صدیقؓ کے والد کا نام لیا پھر

فرمایا کہ وہ کون؟ مائی صاحبہ نے کہا جناب کی بیوی۔ یہ مسئلہ صحیح ہے تو حال کھیلنے والوں پر کیا طعن ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت کی جائے؟۔

جواب:۔ یہ واقعہ جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ بالکل جھوٹ ہے۔ اصل اس کی صرف اتنی ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات بستر سے گم پایا۔ میں نے تلاش کیا تو میرا ہاتھ آپ کے دونوں پاؤں کو لگا آپ (گھر کی) مسجد میں تھے۔ دونوں پاؤں کھڑے تھے یعنی آپ مسجد میں تھے۔ اور یہ دُعا پڑھ رہے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ رواہ مسلم مشکوٰۃ باب السجود ص۸۴ یعنی اے اللہ میں تیرے غصہ سے تیری رضامندی کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اور تیرے عذاب سے تیری عافیت کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اور تجھ سے تیرے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں کیونکہ تکلیف اور آرام دونوں تیری طرف سے ہیں۔ میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا تو ایسا ہے جیسی تُو نے خود اپنی ثناء کی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ

علمِ غیب۔ آنحضرتؐ کو علمِ غیب ذاتی ہے یا وہبی۔ علمِ غیب کی تعریف

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب ذاتی تھا یا وہبی؟ اور علمِ غیب کی جامع مانع تعریف کیا ہے؟

جواب:۔ غیب معنی مُغیب ہے۔ جیسے خلق بمعنی مخلوق اس کے معنی پوشیدہ شئے کے ہیں۔ اس کے علم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا علم اسباب عادیہ سے ہو۔ دوم یہ کہ اسباب غیر عادیہ سے ہو۔ ان دونوں کا ہم الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ اس سے علمِ غیب کی تعریف بھی واضح ہو جائے گی۔ اور اس کے ضمن میں ذاتی وہبی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

اوّل الذکر کا بیان

اوّل الذکر علمِ غیب نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (پ۲۰ ع ۱) کہہ دے آسمان وزمین میں غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس آیت میں فرمایا ہے۔ کہ پوشیدہ شئے کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ حالانکہ بہت سی پوشیدہ اشیاء ہیں۔ کہ ان کو خدا کے سوا دوسرے بھی جانتے ہیں۔ مثلاً کسی کے بیٹھ کے پیچھے کوئی شئے پڑی ہو۔ تو وہ اس سے پوشیدہ ہے۔

اگر وہ اس کو مڑکر دیکھے۔ تو اس کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ اس طرح کان میں سونا چاندی وغیرہ پوشیدہ ہوتا ہے جب انسان کان کھودتا ہے۔ تو اس کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ تو اگر پوشیدہ شئے کا علم مطلقاً علم غیب ہو تو پھر یہ بھی علم غیب ہونا چاہیئے۔ حالانکہ مندرجہ بالا آیت صاف ہے کہ پوشیدہ کا علم صرف خدا کو ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر پوشیدہ کا علم ایسے اسباب سے ہو جو عام عادت کے موافق ہیں۔ تو اس کو شرعاً علم غیب نہیں کہتے۔

ثانی الذکر کا بیان | قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ إِنْ أَدْرِيْ أَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ أَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْ أَمَدًا عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى
غَيْبِهٖ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَإِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ
رَصَدًا لِّيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوْا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ○

(پارہ ۲۹ رکوع ۱۲) کہہ دے کہ میں نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو وہ قریب ہے یا خدا اس کے لئے کوئی مدت کر دے۔ وہ عالم الغیب ہے۔ پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ مگر جس کو پسند کرے رسول سے پس بے شک خدا تعالیٰ اس کے آگے پیچھے پہرے دار چلاتا ہے۔ تاکہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے۔ اور خدا نے جو کچھ ان کے پاس ہے گھیر لیا ہے۔ اور گنتی کی رو سے ہر شئے پر قابو پا لیا ہے۔

یہ آیت بظاہر پہلی آیت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ہے کہ علم غیب سوا خدا کے کسی کو نہیں۔ اور اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہ السلام کو بذریعہ وحی غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ دونوں آیتوں میں موافقت ہے۔ —— بریلوی فرقہ کہتا ہے کہ پہلی آیت میں علم غیب سے مراد ذاتی ہے۔ یعنی بغیر کسی کے دینے کے ہے۔ اور دوسری آیت میں وہبی ہے یعنی خدا کے دینے سے ہے —— ہم کہتے ہیں۔ وہبی سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے۔ کہ جیسے ظاہری آنکھیں ہیں۔ اس طرح رسول کے لئے خدا تعالیٰ باطنی آنکھیں کر دیتا ہے جن سے ہمیشہ کے لئے رسول پر کل غیب ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ کے لئے سب کچھ ظاہر ہے۔ تو یہ اس پہلی آیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ تفسیر خازن وغیرہ میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔

نزلت فی المشرکین حین سالوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن وقت الساعۃ

(خازن جلد ۳ ص۱۳۲)

یہ آیت مشرکوں کے بارہ میں اتری ہے۔ جبکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے

وقت سے سوال کیا ــــ اس شان نزول سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کے وقت کا علم نہ تھا۔ وہبی اور نہ غیر وہبی، کیونکہ سوال وہبی ذاتی نہ تھا۔ بلکہ ان کا سوال مطلقاً تھا جس کے جواب میں کہا گیا، کہ خدا کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں، اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

مَنْ زَعَمَ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُخْبِرُ النَّاسَ بِمَا یَکُوْنُ فِیْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰہِ الْفِرْیَۃَ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ قُلْ لَّا یَعْلَمُ الاٰیۃ (تفسیر فتح البیان ج ۷ طس بحوالہ بخاری مسلم وغیرہ)

جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات کی خبر دیتے ہیں، اس نے خدا پر بڑا افترا کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ

یعنی آسمان و زمین میں خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا

ظاہر ہے کہ کل کی بات جاننے یا خبر دینے کے لئے وہبی علم کافی ہے۔ جس سے سب کچھ منکشف ہو جائے ذاتی کی ضرورت نہیں۔ پس اس پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ اس قسم کا وہبی علم مراد لینا صحیح نہیں۔ بلکہ یہ دوسری آیت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ دوسری آیت میں عذاب قریب یا دُور ہونے سے بے خبری کا ذکر ہے۔ نیز وحی کا ذکر ہے جس کے ساتھ پیروار ہوتے ہیں۔ گویا ویسے آپ بے خبر ہیں، جب کسی بات کی بابت وحی ہو جاتی ہے۔ تو علم ہو جاتا ہے ورنہ نہیں ــــ اس کے علاوہ اور بہت سی آیات و واقعات کے خلاف ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اوّل:۔ وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُھُمْ نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ (پ ع ۲)

کئی لوگ اہل مدینہ سے نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں۔

دوم:۔ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ (پ ع ۲)

اگر میں غیب جانتا تو بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی۔

سوم:۔ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ (پ کوع ۳)

خدا نے تجھے معاف کر دیا۔ تو نے اذن کیوں دیا! یہاں تک کہ تیرے لئے سچے ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو تو جان لیتا۔

اس قسم کی آیات و واقعات بہت ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ رضہ پر تہمت لگنے کا واقعہ جو سورۃ نور میں مذکور

ہے۔ اور شہد وغیرہ کا واقعہ جو سورۃ تحریم میں مذکور ہے۔ یہ سب اس بات کی واضح دلیل ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کا وہبی علم نہیں، کہ خدا نے اس کے باطن کو اس طرح بنا دیا ہو، کہ جیسے خدا پر کوئی شئے پوشیدہ نہیں۔ اس پر بھی پوشیدہ نہ ہو۔

اور اگر وہبی سے یہ مراد ہے، کہ خدا تعالیٰ بذریعہ وحی رسول کو مطلع کر دیتا ہے۔ تو یہ بے شک دوسری آیت کا مطلب ہے۔ لیکن اس صورت میں رسول پر دوسرے انسانوں کی طرح غیب پوشیدہ ہوگا۔ ہاں جس بات کے متعلق وحی ہو جائے۔ اس کا علم ہوگا۔ اگر وحی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ اس قسم کا وہبی سب مانتے ہیں۔ نہ اہل حدیث کو اس سے انکار ہے نہ کسی اور کو پس اس میں نزاع ہی فضول ہے۔ ہاں نام کا جھگڑا ہو، کہ کوئی اس کا نام علم غیب رکھتا ہے اور کوئی نہیں رکھتا۔ تو یہ الگ بات ہے۔ یہ کسی گنتی میں نہیں۔ کیونکہ یہ محض لفظی اختلاف ہے۔ مطلب میں سب متفق ہیں۔ پس اس کو اہمیت نہ دینی چاہیئے ——— خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ کا علم ذاتی ہے۔ اور انبیاء کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ خواہ اس کا نام کوئی علم غیب وہبی رکھے یا علم غیب سے خارج کر کے صرف وحی سے موسوم کرے اگر اس کو علم غیب وہبی کہا جائے تو اس صورت میں علم غیب کی تعریف ہوگی ——— پوشیدہ شئے کا علم جو بذریعہ اسباب عادیہ نہ ہو اور اگر اس کو علم غیب وہبی نہ کہا جائے۔ تو پھر علم غیب کی تعریف مذکورہ میں اتنا اور اضافہ کرنا پڑے گا کہ کسی کے بتلانے سے بھی نہ ہو خواہ بتلانے والا وحی ہو یا غیر وحی ——— بعض لوگ علم غیب کی تعریف کرتے ہیں۔

کہ پوشیدہ شئے کا علم جو بذریعہ حس وعقل نہ ہو۔ یہ تعریف اگرچہ صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر جو لوگ بذریعہ وحی حاصل ہونے والے علم کو بھی علم غیب کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ وحی کے ذریعہ جو کچھ آتا ہے۔ اس کا طریق اکثر حس (سماع) وغیرہ ہے۔

علم مطلق یا مطلق علم

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم مطلق تھا۔ یا مطلق علم؟ نیز آپ کا علم حضوری تھا یا حصولی؟

جواب:۔ سوال اوّل میں گزر چکا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سے علم نہیں، کہ خدا نے آپ کی طبیعت ہر شئے کے لئے شیشہ بنا دی۔ اور جیسے خدا پر ہر شئے روشن ہے۔ اسی طرح آپ پر بھی روشن ہو۔ بلکہ آپ کا علم بذریعہ وحی ہے۔ جب وحی ہوتی ہے۔ تو آپ کو علم ہوتا ہے۔ اگر وحی نہ ہو تو علم نہیں ہوتا۔ مثلاً قیامت کا آپ کو علم نہیں کہ کب ہوگی۔ اس طرح اور کئی باتوں کا علم نہیں۔ چنانچہ نمبر اوّل میں بیان ہو چکا ہے۔ پس آپ کو مطلق علم ہے۔ یعنی اشیاء

کا علم ہے۔ نہ علم مطلق یعنی علم کلی۔

منطقی طریق اگر منطقی طریق سے سمجھنا چاہیں۔ تو یوں سمجھئے کہ کلی کے تین مرتبے ہیں۔ ۱۔ بشرط شئی ۲۔ بشرط لا شئی۔ ۳۔ لابشرط شئی۔ پہلا مرتبہ خصوص کا ہے۔ دوسرا عموم کا تیسرا جامع بین الخصوص والعموم ہے۔ پہلے کی مثال حیوان بشرط ناطق دوسرے کی مثال حیوان بشرط لاناطق تیسرے کی مثال مطلق حیوان جس کے ساتھ ان دونوں شرطوں سے کوئی نہیں۔ اس تیسرے پر خصوص کے احکام بھی جاری ہوتے ہیں۔ اور عموم کے بھی مثلاً زید مرجائے۔ تو کہہ سکتے ہیں کہ حیوان مرگیا۔ اگر حیوان کے تمام افراد انسان وغیرہ مرجائیں تو بھی کہہ سکتے ہیں کہ حیوان مرگیا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یہ مرتبہ موہم اجتماع نقیضین کو ہے۔ مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ حیوان زندہ بھی ہے اور نہیں بھی زندہ اس لئے کہ زید زندہ ہے اور نہیں اس لئے کہ عمرو مرگیا ہے۔ کیونکہ جب خصوص عموم دونوں کے احکام اس میں جاری ہوتے ہیں، تو ایک فرد کا ایک حکم اور دوسرے کا دوسرا حکم دونوں اس پر جاری ہوں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جہاں محض عموم کا محل ہوتا ہے۔ بہت علماء وہاں اس کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ بشرط لاشئی کو لیتے ہیں۔ مثلاً جب کسی شئے کی تعریف یا تقسیم کرنی ہو۔ تو معرف کو یا مقسم کو کس مرتبہ میں اعتبار کریں گے؟ میرزاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ بشرط لا (دوسرا مرتبہ) معتبر ہوگا۔ اور قاضی مبارک وغیرہ کہتے ہیں۔ بشرط لا تجرد کا مرتبہ ہے جو قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے اور قضیہ طبعیہ میں حکم افراد کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اس لئے تقسیم وغیرہ کے موقع پر بشرط لا معتبر نہیں۔ بلکہ یہی تیسرا مرتبہ لابشرط شئی معتبر ہوگا۔ اور موضوع علم جس کے عوارض ذاتیہ سے علم میں بحث ہوتی ہے۔ اس میں بھی یہی نزاع ہے۔ بلکہ ہر عموم کے محل میں یہی جھگڑا ہے ——— میری تحقیق اس میں کچھ اور ہے۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، خلاصہ اس کا یہ ہے۔ کہ فریقین کی نزاع لفظی ہے جیسے کلی کے جتنے فرد، شخص میں فرق کرتے ہیں۔ کہ فرد میں قید تقیید دونوں داخل ہوتی ہیں۔ جیسے مطلق مقید اور حصہ میں صرف تقیید داخل ہوتی ہے جیسے ضرب زید اور شخص میں دونوں خارج ہوتی ہیں۔ جیسے زید اسی طرح بشرط لا میں اگر قید عنوان میں داخل ہو، اور معنون سے خارج ہو تو اس صورت میں عموم کے موقع پر بشرط لا معتبر ہونا چاہئے کیونکہ عموم کے موقع پر خصوصی احکام سے کوئی تعلق نہیں، کہ لابشرط شئے کی ضرورت ہو۔ بلکہ صرف عمومی احکام کے افراد کی طرف منتقل ہونے کی ضرورت ہے۔ سو یہ اس صورت میں حاصل ہے اگر لابشرط شئے کا اعتبار کریں۔ تو اس میں دلالت تضمنی کا شبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ لابشرط شئی خصوصی احکام کا بھی محتمل ہے۔ جو عموم کے موقع پر معتبر نہیں۔ اور اگر بشرط لا میں قید عنوان معنون دونوں میں داخل ہو۔ تو یہ تجرد کا مرتبہ ہے تو اس صورت میں عموم کے موقع پر لابشرط شئی معتبر ہونا چاہئے کیونکہ اس وقت بشرط لا کے احکام افراد کی طرف

منتقل نہیں ہوں گے۔ جیسے الحیوان جنس والانسان نوع وغیرہ غیر فریقین کی نزاع کا ذکر تو یہاں بالتبع تھا۔ ہمارا اصل مقصد کلی کے تین مراتب کی توضیح ہے۔ سو اس تفصیل سے کافی ہو چکی ہے۔ اب علم کو لیجئے۔ یہ بھی ایک کلی ہے۔ اس کے لئے بھی یہی تین مرتبے ہیں۔ بشرط شئ تو ایک معین شئے کا علم ہے۔ جیسے قیامت کا علم یا کسی کی موت کا علم وغیرہ اور لابشرط شئ نفس علم جس میں احتمال ہے کہ بعض کا علم ہو یا کل کا ہو گویا قضیہ مہملہ کا موضوع ہے جو جزئیہ کی قوت میں ہے۔ کیونکہ بعض ہر صورت میں ضروری ہیں۔ اگر بعض ہوتے تو ظاہر ہے اگر کل ہوتے۔ تو اس کے ضمن میں بعض آ گئے یہی مطلق الشئ ہے اور بشرط لاشئ کل اشیاء کا علم ہے۔ جو قضیہ کلیہ کا موضوع ہے اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اشیاء کا علم ہے۔ نہ کل کا۔ پس آپ کا علم مطلق العلم تھا۔ نہ العلم المطلق ہاں یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ ہمارا علم بھی مطلق العلم ہے۔ تو پھر آپ میں اور ہم میں کیا فرق ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے۔ چونکہ مطلق العلم میں چونکہ علم بالوحی بھی داخل ہے۔ اس لئے آپ اور ہم میں فرق ہو گیا چنانچہ ارشاد ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی (پ ۱۶ ع ۳) ترجمہ۔ کہہ دے میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔ صرف میری طرف وحی ہوتی ہے۔

اس آیت سے حضوری اور حصولی کا سوال بھی حل ہو گیا کیونکہ جب آپ ہماری طرح بشر ہیں، اور ہمارا علم اپنے نفس اور اس کے صفات سے حضوری ہے اور دیگر اشیاء سے حصولی ہے۔ تو آپ کا بھی اسی طرح ہوگا صرف اتنی بات ہے کہ باطن کی زیادہ صفائی ہونے کی وجہ سے آپ کو بذریعہ وحی بھی علم ہوتا تھا ہمیں نہیں ہوتا۔ مگر زیادہ صفائی انسان کو بشریت سے خارج نہیں کرتی۔ چنانچہ آیت مذکورہ اس کی شاہد عدل ہے۔ اور عقلاً بھی یہی بات صحیح ہے کیونکہ زیادہ صفائی کے صرف یہ معنی ہیں۔ کہ قوائے نفسانیہ پر قوت عقلیہ کا پورا تسلط ہو۔ اگر کسی وقت خواہش نفسانیہ سر اٹھائے۔ تو اس کو دبا سکے۔ پھر اس کے مختلف مراتب ہیں۔ اور انبیاء علیہ السلام اس کے اعلیٰ مرتبہ پر ہوتے ہیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام میں بھی تفاوت ہے۔ آنحضور سب سے فوق ہیں۔ ہاں اگر زیادتی صفائی کا یہ معنی ہوتا۔ کہ خواہشات نفسانیہ کا وجود ہی نہ ہو نہ دیگر لوازم بشریہ ہوں جیسے فرشتوں کا حال ہے۔ تو پھر بشریت کی نفی ممکن تھی۔ مگر یہ آیت مذکورہ کے خلاف ہے اور واقعات کے بھی خلاف ہے مثلاً آپ میں بھول چوک تھی۔ آپ کھاتے پیتے بھی تھے۔ آپ نے شادیاں بھی کیں۔ آدم کی اولاد تھے۔ آپ کے ماں باپ بھی تھے اور بدستور بشریت پیدا ہوئے۔ اولاد بھی تھی جو نسلاً بعد نسل بدستور بشریت پڑھتی رہی جو اس وقت ہمارے سامنے پوری بشریت کے موجود ہے۔ اور ہمارے ان کے

آپس میں پوری بشریت کے تعلقات ہیں، بایں ہمہ اگر کوئی بھی کہتا جائے کہ وہ بشر نہیں، تو اس کی مثال اس کوّے کی ہے کہ جو کہتا جائے کہ میں کالا نہیں۔ پیچ ہے ؎

پھرے زمانہ پھرے آسماں، ہوا پھر جائے

بتوں سے ہم نہ پھریں ہم سے گو خدا پھر جائے

نوٹ:۔ علم حضوری اسے کہتے ہیں، کہ جس شئے کا علم ہو، وہ خود قوت مدرکہ کے سامنے ہو اور حصولی اسے کہتے ہیں کہ جس کا علم ہے وہ خود سامنے نہیں، بلکہ اس کی صورت یا اس کا عکس قوت مدرکہ میں حاصل ہو جیسے شیشہ میں زید کا عکس ہوتا ہے۔

آیت فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ کا مطلب

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم مغیبات نہیں تھا، تو آیت کریمہ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ الآیۃ (جن) کا کیا مطلب ہے اور آیت میں استثناء اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ متصل ہے یا منقطع؟ اور آیت میں اضافت علٰی غیبہٖ کونسی اضافت ہے، عہدی یا استغراقی یا جنسی اور یہاں غیب سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض مغیبات کا علم بذریعہ وحی تھا نہ کہ کل کا۔ ہاں یہ بات باقی رہی کہ بذریعہ وحی جو علم حاصل ہو اس کا نام علم غیب رکھ سکتے ہیں یا نہیں، سو اس کے متعلق پہلے سوال کے جواب میں تفصیل ہو چکی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا نام علم غیب ہو یا نہ، آیت فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا میں مستثنیٰ منہ میں مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مستثنیٰ داخل ہے۔ پس استثناء متصل ہو گیا، شاید کہا جائے کہ استثناء متصل کے یہ معنی ہیں کہ مستثنیٰ منہ کا حکم یہاں اظہار علی الغیب (غیب پر مطلع کرنا) کی نفی ہے۔ اس سے مستثنیٰ کو خارج کیا ہے۔ تو اظہار علی الغیب اس کے لئے ثابت ہو گیا __________ اور اظہار علی الغیب کو غیر پر مطلع ہونا لازم ہے اور غیب پر مطلع ہونا یہی علم غیب ہے۔ پس استثناء متصل ہونے کی صورت میں ضروری ہے، کہ اس کا نام علم غیب ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ جو اس کا نام علم غیب نہیں رکھتے ان کے نزدیک صرف علم غیب پر مطلع ہونا علم غیب نہیں، بلکہ ان کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ کسی کے بتلانے سے نہ ہو، دلیل ان کی یہ آیت کریمہ ہے قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ جو پہلے سوال کے جواب میں گزر چکی ہے۔ اس میں مطلقاً علم غیب کی نفی غیر سے کر دی ہے۔

خواہ رسُول ہو یا اور، اور خواہ علم کلی ہو یا جزئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ بذریعہ وحی علم ہوتا ہے اس کا نام علم غیب نہیں۔ اس کے علاوہ نور الانوار اصُولِ فقہ حنفیہ وغیرہ میں لکھا ہے۔ کہ مستثنیٰ میں کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا بلکہ وہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے مستثنیٰ منہ کے حکم کا اس لئے نہ اثبات ہوتا ہے نہ نفی ملاحظہ ہو نور الانوار مبحث اقسام کا بیان ص۱۲۲ پس یہ کہنا کہ اظہار علی الغیب کی نفی سے مستثنیٰ کو خارج کیا۔ تو اظہار علی الغیب اس کے لئے ثابت ہو گیا۔ اصول فقہ حنفیہ کی رو سے غلط ہے اور اپنے اصُول سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ ہاں شافعیہ کے اصُول سے مستثنیٰ میں حکم ثابت ہوتا ہے۔ مگر حنفیہ کو یہ مفید نہیں پس ان کو کسی اور دلیل سے ثابت کرنا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی جو کچھ علم ہوتا ہے اس کو علم غیب کہتے ہیں یہ تفصیل استثناء متصل کی بناء پر ہے۔ اور اگر منقطع بنائی جائے تو پھر معاملہ اور صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ استثناء منقطع میں مستثنیٰ منہ میں مستثنیٰ داخل نہیں ہوتا۔ تو بذریعہ وحی حاصل شدہ علم کا نام علم غیب کس طرح ثابت ہوگا۔

اگر کہا جائے استثناء میں اصل متصل ہے نہ منقطع پس اس کو استثناء منقطع بنانا ٹھیک نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک استثناء متصل اصل ہے مگر یہاں استثناء منقطع کا قرینہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ اس کے بعد کی عبارت فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا میں "ف" کو بعض سببیہ بناتے ہیں۔ لیکن سببیت کے معنی واضح نہیں۔ ہاں من ارتضیٰ کا من شرطیہ یا موصولہ متضمن معنی شرط بنایا جائے اور "ف" جزائیہ تو یہ بالکل ٹھیک ہے اور اس کی مثال قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ اے پیغمبر تو ان پر داروغہ نہیں۔ لیکن جو شخص پھر جائے اور کافر ہو جائے۔ پس خدا اس کو بہت بڑا عذاب دے گا۔ اس آیت میں الاستثناء منقطع ہے۔ اور آیت الا من ارتضیٰ بھی اسی قسم کی ہے۔ پس اس کو استثناء منقطع بنانا ہی ٹھیک ہے۔ رہا علیٰ غیبہ کی اضافت کے متعلق سوال کہ یہ کیسی ہے سو اس کا جواب بھی نمبر اوّل ہی نکل سکتا ہے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض مغیبات کا علم بذریعہ وحی تھا تو معلوم ہوا کہ یہ اضافت جنس ہے۔ کیونکہ جنس ایک میں بھی ہو سکتی ہے۔ اور زیادہ میں بھی اور عہد ذہنی بھی ہو سکتی ہے عہد خارجی اور استغراقی نہیں ہو سکتی استغراقی اس لئے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کل مغیبات کا علم نہیں۔ اور عہد خارجی اس لئے کہ رسُول کو کسی معین شئے کی وحی نہیں ہوتی۔ بلکہ حسب ضرورت کبھی کسی شئے کی وحی ہوتی ہے کبھی کسی شئے کی۔ ہاں بایں معنی عہد خارجی ہو سکتی ہے۔ کہ غیب کی دو قسمیں کر دی جائیں ایک وہ جس کو مخلوق میں سے بھی کوئی جانتا ہو جیسے ہر ایک کا ما فی الضمیر غیب ہے۔ مگر وہ خود جانتا ہے (دوم) مخلوق میں سے بغیر اطلاع خداوندی

کوئی نہیں جانتا اور اضافت سے اس خاص کی طرف اشارہ ہو پس اس معنی سے یہ اضافت عہد خارجی ہو سکتی ہے۔

پیشنگوئی خبر غیب ہے یا نہیں؟

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے واقعات اُمّت کو بتلائے ہیں، وہ مغیبات ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آئندہ کے واقعات اُمّت کو بتلائے ہیں، وہ مغیبات ہیں، مگر اس سے تو بجائے علم غیب ثابت ہونے کے الٹا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ پھر اُمّت بھی عالم الغیب ہوگئی۔ اگر کہا جائے کہ اُمّت عالم الغیب اس لئے نہیں، کہ ان کو نبی نے بتایا ہے۔ تو اس پر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ نبی کو وحی نے بتایا ہے۔ پس نبی بھی عالم الغیب نہ رہا۔

آیت وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ الایۃ کا مطلب

سوال:۔ آیت کریمہ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ الایۃ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ الایۃ کے قبل نازل ہوئی یا بعد؟ دوسرے علم بالشئی لا یستلزم القدرۃ علیہ کما فی قصۃ احد فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان عالما بانکسار المسلمین لرؤیا راٰھا کما فی کتب السیر مع انہ لم یقدر علی ردہ ما قدرہ اللہ (جمل ج ۲ ص۲۱۳) ایضا فیحتمل ان یکون قالہ علی سبیل التواضع والادب تیسرے آیت وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ میں لو شرطیہ ہے۔ تو وقوع جزا شرط کو مستلزم ہے یا نہیں؟ اور یہ آیت قیاس اقترانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو آپ بصورت قیاس اقترانی اور منطق آپ اس کو بیان فرمائیں؟

جواب:۔ پہلی آیت سورۃ اعراف کی ہے۔ اور دوسری سورۃ جنّ کی دونوں سورتیں مکی ہیں۔ تفسیر اتقان میں لکھا ہے۔ اعراف جن سے پہلے اتری ہے۔ اور ایک قول کی بنا پر آیت واسئلھم عن القریۃ مدینہ میں اتری ہے۔ اور ایک قول کی بنا پر واسئلھم سے لیکر وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ تک مدینہ میں اتری ہے۔ ملاحظہ ہو اتقان ص۱۰،۱۳ اور تفسیر جامع البیان میں ایک قول واسئلھم سے وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ تک مدنی ہونے کا نقل کیا ہے۔ مگر اس کو قیل کے ساتھ نقل کیا ہے خیر اگر یہ قول صحیح ہو تو پھر آیت وَلَو

كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ بھی مدنی ہوگی۔ کیونکہ یہ واستاٰتھم اور وَاَعْرِضْ کے درمیان ہے۔ اس صورت میں آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ پہلے ہوگی۔ مگر اس پہلے ہونے سے سائل کا اگر یہ مقصود ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے غیب نہیں تھا، پیچھے ہوگیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ آیت فَلَا يُظْهِرُ سے علم غیب کلی ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی بعض باتوں کا اظہار نبی پر کر دیتا ہے۔ سو اس سے کسی کو انکار نہیں، چنانچہ پہلے سوال میں ذکر ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ آیت کریمہ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ سورۃ نمل کی آیت ہے اور نمل سورۃ جن کے بعد اتری ہے چنانچہ تفسیر اتقان کے صلا میں اس کی تصریح ہے۔ پس آیت قُلْ لَّا يَعْلَمُ آیت فَلَا يُظْهِرُ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر آیات و واقعات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا۔ صرف بذریعہ وحی جس بات کا آپ کو پتہ لگ گیا، اس کا علم ہے۔ باقی باتوں میں آپ دیگر انسانوں کی طرح بے خبر تھے چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں بیان ہو چکا ہے۔ اور بخاری صلاے۹ جلد ۲ میں حدیث ہے کہ کئی لوگ حوض کوثر پر آئیں گے۔ فرشتے ان کو ہٹا دیں گے۔ میں کہوں گا۔ یہ تو میرے آدمی ہیں۔ ان کو کیوں ہٹایا جاتا ہے؟ میرے جواب میں کہا جائے گا۔ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ یعنی تجھے علم نہیں۔ کہ انہوں نے تیرے بعد دین میں کیا کچھ بدعات پیدا کیں۔ پھر میں کہوں گا فَسُحْقًا لِّمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ یعنی لعنت ہو اس شخص کے لئے جس نے میرے بعد دین کو بدل دیا۔۔۔ اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ آپ کو وفات کے بعد بھی علم غیب نہیں۔ چہ جائیکہ زندگی میں ہو۔ ان آیتوں کے پہلے پیچھے ہونے کا سوال یہاں لایعنی سا ہے جس کا کچھ نتیجہ نہیں۔ اس طرح مسئلہ علم بالشئی قدرت کو مستلزم نہیں۔ اس کا تذکرہ بھی بے محل ہے۔ بلکہ سائل کو مضر ہے۔ ہم تفسیر جمل کی پوری عبارت نقل کئے دیتے ہیں۔ اس طرح ناظرین پر حقیقت حال واضح ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔

قَوْلُهٗ ـــ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ اَلْ لِقَائِلٍ اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ الشَّخْصُ عَالِمًا بِالْغَيْبِ لٰكِنْ لَا يَقْدِرُ عَلٰى دَفْعِ الشَّرِّ اَوِ النَّفْعِ اِذِ الْعِلْمُ بِالشَّيْءِ لَا يَسْتَلْزِمُ الْقُدْرَةَ عَلَيْهِ كَمَا فِي قِصَّةِ اُحُدٍ فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَالِمًا بِانْكِسَارِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِرُؤْيَا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا فِي كُتُبِ السِّيَرِ مَعَ اَنَّهٗ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى رَدِّ مَا قَدَّرَهُ اللّٰهُ وَاُجِيْبَ بِاَنَّ

استلزام الشرط الجزاء لا يلزم ان يكون حقيا ولا كليا بل يجوز ان يكون في بعض الاوقات لزوميا
فان قلت قد اخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المغيبات وقد جاءت
في الصحيح بذالك وهو من اعظم معجزاته صلى الله عليه وسلم فكيف الجمع
بينه وبين قوله ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير قلت يحتمل
ان يكون قاله على سبيل التواضع والادب المعنى لا اعلم الغيب الا ان
يطلعني الله ويقدره لي ويحتمل ان يكون قال ذالك قبل ان يطلعه الله
عز وجل على الغيب فلما اطلعه الله اخبر به كما قال فلا يظهر على غيبه
احدا الا من ارتضى من رسول او يكون خرج هذا الكلام مخرج الجواب عن سوالهم
ثم بعد ذالك اظهره الله تعالى على اشياء من المغيبات فاخبر
عنها ليكون ذالك معجزة له ودلالة على صحة نبوته صلى الله عليه وسلم

(الخازن تفسیر جمل جلد ۲ ص۲۵۰)

ترجمہ:۔ آیت کریمہ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ پر کوئی یوں اعتراض کرسکتا ہے کہ یہ کیوں
جائز نہیں کہ ایک شخص کو غیب کی بات کا علم ہو۔ مگر خیر شر کے حاصل یا دفع کرنے کی اس کو قدرت
نہ ہو کیونکہ علم قدرت کو مستلزم نہیں۔ چنانچہ جنگ اُحد کے واقعہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
شکست کا علم[1] تھا۔ بوجہ خواب کے جو آپ نے دیکھی جیسے کتب سیر میں ہے۔ مگر باوجود اس کے
تقدیر الٰہی کو رد نہیں کرسکے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جزا کا شرط کو لزوم ضروری نہیں۔ کہ عقلی ہو یا
کلی ہو۔ بلکہ جائز ہے۔ کہ لزوم فی بعض الاوقات ہو۔ اگر تو کہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
بہت سی غیب کی باتوں کی خبر دی ہے۔ اور اس بارہ میں صحیح احادیث وارد ہیں۔ اور یہ رسُول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعظم معجزات سے ہے اور یہ آیت اس کی نفی کررہی ہے۔ پس ان
دونوں میں موافقت کس طرح ہوگی؟ میں کہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

لہ یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ آپ کو خواب میں جنگ اُحد کی تعیین نہیں بتلائی گئی نہ کسی روایت میں یہ آیا ہے بلکہ یہ خواب
عبیر والے خواب کی قسم کا ہے جس کا ذکر سورۃ فتح کے اخیر رکوع میں ہے۔ ۱۲

یہ کہنا کہ میں غیب جانتا ہوں تو بہت بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے برائی نہ پہنچتی یہ بطور تواضع اور ادب کے ہو مطلب یہ ہو کہ میں غیب نہیں جانتا مگر یہ کہ خدا مجھے مطلع کر دے اور میرے لئے مقدر کر دے اور احتمال ہے کہ آپ کا یہ کہنا اطلاع علی الغیب کے پہلے ہو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی تو آپ نے اس کی خبر کر دی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا الآیۃ یا یہ کلام وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کفار کے سوال کے جواب میں واقع ہوئی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کئی غیب کی اشیاء پر مطلع کر دیا پس ان کی خبر دی تاکہ یہ آپ کا معجزہ بن کر آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر دلیل ہو جائے۔

اس عبارت میں دو اعتراض کئے ہیں۔

ایک یہ کہ علم کو قدرت لازم نہیں، تو شرط و جزاء میں لزوم نہ ہوا حالانکہ لزوم ضروری ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا ہے۔ کہ یہ آیت آپ سے غیب کی نفی کرتی ہے حالانکہ آپ نے مغیبات سے خبر دی ہے چنانچہ احادیث میں آیا ہے۔

پھر ہر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے کہ

لزوم فی بعض الاوقات کافی ہے۔ لزوم فی بعض الاوقات کی صورت یہ ہے کہ انسان کو خدا نے مکلف بنایا ہے۔ نیکی بدی کی قدرت دی ہے۔ کسب معاش کرتا ہے۔ اپنی ضروریات کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ اس قسم کی قدرت سب انسانوں کو حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے۔ پس قدرت کے ساتھ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر و شر کا علم ہوتا تو بہت سی خیر آپ جمع کر لیتے اور برائی سے بچ جاتے۔ یہی وجہ ہے لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ "بہت سی خیر جمع کر لیتا" فرمایا لَاسْتَوْعَبْتُ الْخَيْرَ "تمام خیر جمع کر لیتا" نہیں فرمایا۔ کیونکہ تمام خیر اس وقت جمع ہو سکتی ہے جب ہر شئے پر قدرت ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ کو ہر شئے پر قدرت ہے۔ اور اس وقت لزوم کلی ہوتا۔ نہ لزوم فی بعض الاوقات فتأمل فیہ۔

؎ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہاں لزوم فی بعض الاوقات سے اگر مخصوص زمانہ مراد ہو۔ مثلاً نزول وحی سے لیکر اس آیت وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کے اترنے تک یا کم و بیش جس میں اتنا استکثار خیر ہو کہ علم غیب نہ ہونے

(باقی صفحہ ۲۱۷ پر)

لو وقوع جزاء وشرط کو مستلزم ہے یا نہیں؟

سوال:۔ اس آیت میں لو شرطیہ ہے کیا لو وقوع جزاء وشرط کو مستلزم ہے یا نہیں اور یہ آیت قیاس اقترانی ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر ہے تو آپ بصورت قیاس اقترانی در منطق اس آیت کو بیان فرمائیں۔

جواب:۔ اس اعتراض کے تین جواب دیئے ہیں۔

ایک یہ کہ لو کنت اعلم الغیب کہنے کے وقت آپ کو بعض غیب کی باتوں کا علم تھا مگر آپ نے بطور تواضع کے کلی طور پر علم غیب کی نفی کر دی۔

دوم یہ کہ لو کنت اعلم الغیب کہنے کے وقت اگرچہ آپ کو کسی غیب کی بات کا علم نہ تھا۔ پھر خدا نے آپ کو بعض باتوں کی خبر دی جیسے آیۃ فلا یُظْهِرُ سے ظاہر ہے۔

سوم یہ کہ آپ کا لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کہنا اپنے طور پر نہیں، بلکہ کفار کے سوال کے جواب میں ہے اس

(بقیہ حاشیہ صـ۲۱۷) کی حالت میں تمنا نہ ہو سکے تو اس صورت میں اس کو لزوم کلی کا مقابل بنانا ٹھیک نہیں۔ اور اگر مطلق بعض زمانہ مراد ہو تو یہ لو کے معنی کے خلاف ہے کیونکہ لو سے انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم پر استدلال ہوتا ہے۔ اور مطلق بعض زمانہ مراد ہونے کی صورت میں لزوم جزئی ہوگا اور لزوم جزئی کی صورت میں انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم ضروری نہیں۔ مثلاً قَدْ يَكُوْنُ اِذَا كَانَ الشَّيْئُ حَيْوَانًا كَانَ اِنْسَانًا۔ میں لزوم جزئی ہے۔ اس میں انتفاء لازم (انسان) سے انتفاء ملزوم (حیوان) ضروری نہیں۔ اس لئے اس جگہ لَوْ كَانَ الشَّيْئُ حَيْوَانًا كَانَ اِنْسَانًا کہنا غلط ہے۔ پس اس طرح آیت زیر بحث کو سمجھ لینا چاہئے۔ پس صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں لزوم کلی ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ جو قدرت عموماً ہر انسان کو حاصل ہے، اس قدرت کے ساتھ اگر آپ کو خیر و شر کا پورا علم ہوتا تو آپ بہت سی خیر جمع کر لیتے اور شر سے بچ جاتے اور یہ لزوم کلی ہے۔ نہ فی بعض الاوقات۔ کیونکہ اس قسم کی قدرت کے ساتھ جب پورا علم بھی ہو تو پھر استکثار خیر اور احتراز شر سے کیا رکاوٹ؟ اور اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرا اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں پورے علم کی نفی ہے یعنی تمام اشیاء کا علم نہیں بعض کا ہو تو ہو پس آپ کا مغیبات سے خبر دینا چنانچہ احادیث میں آیا ہے اور آپ کا بذریعہ وحی غیب پر مطلع ہونا جیسا کہ آیت کریمہ فَلَا يُظْهِرُ سے ثابت ہوتا ہے یہ اس آیت لو کنت اعلم الغیب کے خلاف نہیں پس تفسیر جمل میں جو بحوالہ تفسیر خازن دوسرے اعتراض کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔ ان کی بھی ضرورت نہ رہی اور آیت لو کنت اعلم الغیب اور آیت فَلَا يُظْهِرُ میں تقدم تاخر کی بحث بھی اس محل میں بے کار ہوئی۔

وقت آپ کو کسی بات کی اطلاع نہ تھی۔ جب اس کے بعد خدا نے آپ کو بذریعہ وحی بعض باتوں کی خبر دی۔ تو یہ آپ کی نبوت کی دلیل بن گئی۔

پہلے اعتراض کے جواب سے دو باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ آپ کو خدائی اختیارات نہ تھے۔ بلکہ جیسے اور انسانوں کی قدرت ہے۔ اس طرح کی قدرت آپ کی تھی۔ دوم یہ کہ آپ کو تمام باتوں کا علم نہ تھا۔ ورنہ اس قدرت کے ساتھ بہت سی بھلائی جمع کر لیتے اور برائی سے بچ جاتے۔

دوسرے اعتراض کے تینوں جوابوں سے معلوم ہوا کہ آپ کو بذریعہ وحی بعض پوشیدہ باتوں کا علم حاصل ہے خواہ لوکنت اعلم الغیب کہنے کے وقت ہوا ور بطور توضیح کے کلی طور پر نفی کر دی ہو۔ اور خواہ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ کہنے کے بعد ہوا ہو۔ اور بعد ہونے کی صورت میں خواہ کلام کفار کے سوال کا جواب ہو یا اپنے طور پر۔

خلاصہ یہ کہ دونوں اعتراضوں کے جوابوں سے توحید کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں وہ یہ کہ نہ آپ کو خدائی اختیارات حاصل ہیں۔ نہ آپ کو علم غیب ہے۔ بجز اس کے کہ کوئی بات آپ خدا تعالیٰ بذریعہ وحی معلوم کرا دے۔

غرض تفسیر جمل کی عبارت فریق مخالف کو مفید نہیں۔ بلکہ انہی پر حجت ہے۔ مگر وہ بے سمجھے بوجھے پیش کر رہے ہیں۔ اور عموماً ان کی یہی حالت ہے۔ خدا ان کو سمجھ دے آمین۔

رہا شرط و جزاء کے وقوع کا مسئلہ اور یہ مسئلہ کہ آیت قیاس اقترانی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ سو اب دونوں کی تفصیل سنیئے

تفصیل اوّل عموماً یہ مشہور ہے کہ شرط و جزاء کا وقوع ضرور نہیں۔ حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے اور وہ یہ کہ کلمات شرط کئی ہیں۔ کسی میں وقوع ضروری ہے۔ کسی میں وقوع ضروری نہیں۔ مثلاً اِذا میں وقوع ضروری ہے اِن میں ضروری نہیں۔ اہل عربیت کے نزدیک اِن مشکوک کے لئے ہے اور چونکہ اِن شرط میں اصل ہے اور مشہور ہے۔ اس لئے یہ بات مشہور ہو گئی۔ کہ شرط جزاء کا وقوع ضروری نہیں۔ حالانکہ ضروری بھی ہے اور نہیں بھی۔ لو میں عدم وقوع ضروری ہے۔ نور الانوار میں ہے وهو بمعنی ان انتفاء الجزاء فی الخارج فی الزمان الماضی بانتفاء الشرط کما هو عند اهل العربية اوان انتفاء الشرط فی الماضی لاجل انتفاء الجزاء کما هو عند ارباب المعقول (نور الانوار مبحث حروف شرط ص۱۴۰)

ترجمہ:۔ لو اہل عربیت کے نزدیک انتفاء جزاء کے لئے ہے بوجہ انتفاء شرط کے اور ارباب معقول کے نزدیک انتفاء شرط کے لئے ہے۔ بوجہ انتفاء جزاء کے۔ قرآن مجید میں دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔ آیت کریمہ لَوْ کَانَ

فیهما آلِهَةٌ إلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا ارباب معقول کے موافق ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (پ۴ رکوع ۷) اہل عربیت کے موافق آتی ہے۔ یعنی اگر تو سخت زبان سخت دل ہوتا ۔ تو یہ لوگ تیرے اردگرد سے منتشر ہو جاتے۔

اس طرح آیت کریمہ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ (پ۵ ع ۶) اہل عربیت کے موافق ہے یعنی اگر ہم ان پر لکھتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر دیا اپنے گھروں سے نکل جاؤ۔ تو وہ یہ کام نہ کرتے مگر ان سے تھوڑے۔

نوٹ:۔ لو اہل عربیت کے موافق عربی محاورات میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اہل عربیت نے اس معنی کو اختیار کیا ہے۔ اور ارباب معقول کا مقصد چونکہ انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم پر استدلال کرنا ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک دوسرا معنی معتبر ہے۔

تفصیل دوم | آیت کریمہ کی ظاہر صورت تو قیاس استثنائی کی ہے۔ اگر قیاس اقترانی بنانا چاہیں۔ تو شکل ثانی کی صورت میں بن سکتا ہے۔ ہم قیاس استثنائی اور قیاس اقترانی دونوں کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر پہلے تھوڑی سی تمہید سن لیں۔

تمہید | قیاس استثنائی میں اگر مقدمہ موضوعہ متصلہ ہو تو اس میں ملازمہ کلیہ شرط[1] ہے اور قیاس اقترانی کی شکل ثانی میں اختلاف مقدمتین فی الکیف اور کلیہ کبریٰ شرط ہے۔ پھر ملازمہ کی دو قسمیں ہیں۔ عقلی اور عرفی۔ عقلی جیسے طلوع شمس کو وجود النہار لازم ہے اور عرفی جیسے حاتم طائی کو سخاوت لازم ہے۔ علم الغیب اور استکثار من الخیر کے درمیان بھی عرفی لزوم ہے کیونکہ عموماً دستور ہے کہ جب انسان کو خیر و شر کا علم ہوتا ہے تو وہ خیر کو حاصل کرتا اور شر سے بچتا ہے خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی ذات سے خبر دے رہے ہیں۔ اگر مجھے علم غیب ہوتا تو میں ایسا کرتا۔ تو علم غیب کی صورت میں اس کا وقوع ضروری ہو گیا۔ ورنہ آپ کی کلام میں کذب لازم آئے گا۔ اور کلمہ لو کا استعمال بے محل ہو جائے گا جس سے خدا اور رسول دونوں پاک ہیں۔ شاید کہا جائے کہ لو۔ اِنْ۔ اِذَا مہملہ کا سُور ہیں۔ اور مہملہ جزئیہ کی قوۃ میں ہوتا ہے تو پھر ملازمہ کلیہ کس طرح ہوا؟ ——— اس کا جواب یہ ہے کہ لو مجازاً ان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اصول فقہ میں مسائل طلاق وغیرہ میں لکھا ہے (ملاحظہ ہو نور الانوار

---

[1] ملازمہ کلیہ سے مراد لزوم کلی ہے۔ ۱۲

بحث حروف شرط حنہ ۱۳۱) اس وقت وہ مہملہ کا سور ہوگا۔ ورنہ وہ اپنے معنیٰ میں مہملہ کا سور نہیں بن سکتا۔ قرآن مجید میں ہے۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ اس میں ملازمہ کلیہ ہے اگر ملازمہ کلیہ نہ ہو تو یہ توحید کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس طرح آیت زیر بحث کو سمجھنا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ لو کا اپنا معنیٰ انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم جو ارباب معقول کے ہاں معتبر ہے ملازمہ کلیہ کو مستلزم ہے اس لئے اس حالت میں مہملہ کا سور نہیں ہوگا۔

قیاس استثنائی۔ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ لٰكِنْ لَمْ أَسْتَكْثِرْ مِنَ الْخَيْرِ وَمَسَّنِيَ السُّوءُ فَلَمْ أَكُنْ أَعْلَمُ الْغَيْبَ۔

قیاس اقترانی۔ انا لست مستکثر الخیر ومَسَّنِيَ السُّوءُ وَكُلُّ عَالِمِ الْغَيْبِ مُسْتَكْثِرًا لِلْخَيْرِ وَلَمْ يَمَسَّهُ السُّوءُ فَانا لَسْتُ عَالِمَ الْغَيْبِ۔

آیت وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ کا مطلب

سوال: آیت وماھو علی الغیب بضنین الایۃ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مطلب اس کا یہ ہے کہ غیب پر آپ بخیل نہیں، یعنی آپ کو جو کچھ بذریعہ وحی معلوم ہوتا ہے۔ آپ اس کے پہنچانے میں بخل نہیں کرتے۔ بلکہ اس کو آگے پہنچا دیتے ہیں، جیسے شان نبوت سے ظاہر ہے اس آیت میں وہی غیب ہے۔ جو آیت فَلَا يُظْهِرُ میں مذکور ہے۔

علم مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ماکان وما یکون تھا یا نہیں؟ حالانکہ ایک روایت میں آتا ہے:۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إِنِّي رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ قَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى قُلْتُ أَنْتَ أَعْلَمُ فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

الحدیث مشکوٰۃ جلد ۱ صلـ۶۹ـ

اس حدیث سے صریح ظاہر ہے۔ کہ آپ کو علم ماکان ومایکون تھا۔ اور آپ عالم غیب السمٰوٰت والارض تھے۔

جواب: آپ کو علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ نہیں، اور حدیث فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْاَعْلٰی سے صرف آسمان و زمین میں موجود اشیاء کا علم کلی معلوم ہوتا ہے۔ جو ہو چکی ہیں یا آئندہ ہونے والی ہے۔ ان کا علم ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس کی مؤید بخاری کی حدیث کوثر بھی ہے، جو جواب نمبر۵ میں گزر چکی ہے۔ اور آیات و واقعات اور دیگر احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، کہ آپ کو بعض اشیاء کا علم ہے نہ کہ خدا کی طرح کل اشیاء کا، چنانچہ چند امثلہ جواب نمبر۱ میں گزر چکی ہیں۔

خدا تعالیٰ کا علم اور نبی کا علم

سوال: خدا تعالیٰ کے علم اور آنحضورؐ کے علم میں کیا فرق ہے؟

جواب: فرق اوپر معلوم ہو چکا کہ خدا پر کوئی شے مخفی نہیں۔ نہ گذشتہ نہ آئندہ نہ موجودہ۔ اس کے برخلاف رسولؐ کو بہت سی باتوں کا پتہ نہیں۔

خدا تعالیٰ کو عالم الغیب کہنے کی وجہ

سوال: خدا کے نزدیک جب کوئی شے پوشیدہ و غائب نہیں ہے۔ تو خدا کو عالم الغیب کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: خدا پر بے شک کوئی شئے پوشیدہ نہیں ہے۔ غیب صرف مخلوق کے لحاظ سے ہے۔ جیسا آیت کریمہ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَکُوْنُ قَرِیْبًا میں کلمہ لعل استعمال مخلوق کے لحاظ سے ہے۔

آیت اِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ کا مطلب

سوال: آیت اِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ الآیۃ میں ان پانچ اشیاء کو کیوں خاص کیا گیا ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو ان پانچ چیزوں کا علم خصوصی ہے؟ اور باقی اشیاء کا نہیں ہے؟

جواب: ان پانچ کے علاوہ دیگر غیب بھی خدا کا خصوصی علم ہے پانچ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا ہے کہ ان پانچ کی علامات بہت ہیں، قیامت کی علامات احادیث میں بکثرت آئی ہیں۔ بارش کے لئے موسم

مقرر ہونا خاص ہے۔ خاص قسم کی ہوا کا چلنا۔ بجلی کا چمکنا بادل کا گرجنا یہ سب علامات ہیں۔ اس طرح انسان کی رہائش گاہ ایک جگہ ہونا اور ہمیشہ اس جگہ آمد ورفت یہ اس بات کی علامات ہیں۔ کہ موت اسی جگہ آئے۔ اور انسان کا مصمم ارادہ ہونا کہ میں کل فلاں کام کروں گا۔ اور اس کے لئے پوری تیاری اور اس کا سامان کرنا یہ اس بات کی علامت ہے۔ کہ کل یہی کام ہوگا۔ اور جو رحم میں ہے۔ اس کی گیارہ بارہ علامات اطباء اور ڈاکٹروں نے لکھی ہیں۔ کہ ایسا ہو تو لڑکا ہوگا۔ اور ایسا ہو تو لڑکی وغیرہ مگر باوجود ان سب علامات کے کسی کو ان پانچ چیزوں کے متعلق پورا علم نہیں ہو سکتا۔ بہت دفعہ خیال کچھ ہوتا ہے۔ اور ہو کچھ جاتا ہے۔ جب ان اشیاء کا یہ حال ہے۔ جن کی بکثرت علامات موجود ہیں۔ تو جن کی علامات سرے ہی سے نہیں۔ یا بہت کم ہیں۔ ان کا علم بطریق اولیٰ مخلوق کو نہیں ہو سکتا۔ جیسے خدا کی ذات کی حقیقت کا علم اور اس بات کا علم کہ آئندہ وہ کیا پیدا کرنے والا ہے۔ اور پہلے کیا پیدا کر چکا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ (پ۱۴ رکوع ۷)

اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ کا مطلب؟

سوال: ایک حدیث میں آتا ہے۔ اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ الحدیث مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نور الٰہی کے ذریعہ سے علم مغیبات نہیں رکھتے۔ حالانکہ آپ مجمع النورین تھے۔ ایک نور نبوت اور دوسرا نور الٰہی چنانچہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو خاص بات جو انہوں نے اپنی بیوی ام الفضل سے کہی تھی۔ بدر کے دن بتلائی جبکہ انہوں نے فدیہ یوم بدر دینے سے عذر کیا۔ یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ آپ علم مغیبات رکھتے تھے اور آپ عالم الغیب تھے۔

جواب: فراست کے معنی ہیں۔ کہ کسی کے رنگ ڈھنگ سے کسی بات کا پتہ لگا لینا۔ سو یہ بہت محدود علم ہے۔ پھر علم غیب کی قسم سے بھی نہیں چنانچہ نمبر اول کے جواب میں علم غیب کی تعریف سے ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد ہے۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ (پ۲۶ رکوع ۸) یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو منافقوں کو طرز بات میں پہچان لے گا۔

دوسری آیت میں ہے۔ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ (منافقون) اے محمد جب تو منافقوں کو دیکھتا ہے۔ تو ان کے جثے تجھ کو تعجب

ہیں ڈولتے ہیں، اور اگر بات کرتے ہیں، تو ان کی بات کو سنتا ہے۔ گویا کہ وہ لکڑیاں (دیوار سے) کھڑی کی گئی ہیں۔

تیسری آیت میں ہے۔ وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُھُمْ نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ (پ ۱۱ ع ۲) یعنی اہل مدینہ سے کئی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ اے محمد! تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں پہلی آیت میں پہچان کا ذکر ہے۔ دوسری میں ذکر ہے۔ کہ تو ان کے جثے دیکھ کر ان کو شریف سمجھ کر ان کی بات توجہ سے سنتا ہے حالانکہ وہ نکمے ہیں۔ جیسے دیوار سے کھڑی ہوئی لکڑیاں بے کار ہیں۔ تیسری آیت میں صاف ہے کہ کئی منافقوں کا تجھے علم نہیں، حالانکہ وہ مدینہ میں رہتے ہیں۔ ان سب آیتوں کو ملا کر یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ وحی کے سوا عام حالات حضور کے باقی انسانوں کی طرح ہیں صرف کمی بیشی کا فرق ہے کسی کی فراست زیادہ تیز ہے۔ عقلوں اور بینائیوں وغیرہ میں فرق ہے مومن کی فراست نور ایمانی کی وجہ سے نسبتاً زیادہ تیز ہے اللہ کے نور سے نور ایمانی مراد ہے مگر اس کی بیشی کتنی ہی ہو بشریت سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ لینا چاہیے۔ اگرچہ آپ کی فراست نسبتہً تیز ہے۔ مگر بعض دفعہ پتہ نہیں لگتا چنانچہ اوپر آیات سے واضح ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک تو یہ علم محدود ہے، ہر شے کا علم نہیں۔ دوم علم غیب کی قسم سے نہیں، بلکہ اسباب عادیہ سے حاصل ہے۔ سوم اس میں غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ فراست ضروری نہیں کہ صائب ہو، چنانچہ یہ مشاہدہ ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے بہتیرے واقعات ہیں، چنانچہ سورۃ حشر کے شان نزول کا واقعہ اسی قسم کا ہے جس میں ذکر ہے۔ کہ یہود نے آپ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھایا، اور اوپر سے پتھر پھینک کر آپ کا کام تمام کرنا چاہا۔ مگر جبرئیل نے آکر اطلاع کر دی۔ اس موقعہ پر بجز وحی کے آپ کی فراست اور آپ کے ساتھیوں کی فراست کچھ نہ کر سکی۔ غرض اس قسم کے بہتیرے واقعات ہیں۔ پس اس کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

عبداللہ امرتسری ۱۶ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ

مسئلہ حاضر و ناظر

سوال :۔ ایک شخص آیت لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ سے استدلال کرتا ہے کہ انبیاء کو علم غیب ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے۔ کہ رسول حاضر و ناظر ہے اور دلیل یہ دیتا ہے۔ آیت ویکون الرسول علیکم شھیدا نیز رسولا شاھدا علیکم سے رسول شاہد شہید ہیں۔

شہود بمعنی حضور، اور شہادت بمعنی حضور، اور شہادت بمعنی رؤیت ہیں۔ اس کا یہ کہنا کس حد تک درست ہے؟

جواب:۔ اس شخص نے لا تقربوا الصلوٰۃ پر عمل کیا ہے۔ وانتم سکاریٰ چھوڑ دیا ہے آیت لا یظہر سے پہلے یہ الفاظ ہیں۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا۔ ترجمہ:۔ اے محمد! کہہ دے مجھے کوئی پتہ نہیں، کہ جس عذاب کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔ وہ نزدیک ہے یا میرے رب نے اس کے لئے کچھ مدت مقرر کر دی ہے۔ ان الفاظ کو آیت لَا یُظْهِرُ سے ملا کر یہ مطلب ہوا کہ رسول کو کسی بات کا علم ہے۔ اور کسی بات کا پتہ نہیں۔ پس جتنا خدا نے وحی کر دیا۔ اتنا ہی علم ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اور یہ سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

مجیب نے مسئلہ حاضر ناظر میں لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ والا طریقہ اختیار کیا ہے۔ شروع سے الفاظ چھوڑ دیئے ہیں۔ پورے الفاظ یوں ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔

ترجمہ:۔ اس طرح ہم نے تمہیں بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر شہادت دو اور رسول تم پر شہادت دے۔

اگر شہادت کے معنی حاضر ناظر کے ہوں۔ تو لازم آتا ہے کہ ساری اُمّت حاضر ناظر ہو جس میں ہم بھی داخل ہیں۔ بلکہ لازم آتا ہے کہ ہم حاضر ناظر ہونے میں رسول سے بڑھ جاتے ہیں۔ کیونکہ رسول تو صرف ایک اپنی امت پر حاضر ناظر ہے۔ ہم ساری اُمّتوں پر حاضر ناظر ہوں۔ اصل میں یہ لوگ قرآن مجید کا مطلب بیان نہیں کرتے بلکہ اس سے کھیلتے ہیں۔ احادیث اور ان کے مطابق معتبر تفاسیر میں اس آیت کا مطلب صاف لکھا ہے۔ کہ پہلی امتوں اور ان کے پیغمبروں میں نزاع ہوگی۔ پیغمبر کہیں گے۔ ہم نے پیغام پہنچائے۔ امتیں انکار کریں گی۔ پیغمبروں سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ وہ اس امت کو پیش کریں گے یہ امت گواہی دے گی کہ واقعی پیغمبروں نے پیغام پہنچائے۔ خدا ان سے سوال کرے گا۔ کہ تم کس طرح گواہی دیتے ہو تم تو بہت بعد پیدا ہوئے یہ کہیں گے۔ کہ خدایا ہم نے تیرا کلام پڑھا۔ اس میں ایسا ہی لکھا پایا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہوگی۔ کہ یا اللہ! یہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک ہے۔ واقعی تیرے کلام میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے مطلب صاف ہے۔ حاضر ناظر ہونے کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ

حاضر ناظر ہونے کی تردید ہے۔ ورنہ خدا کی طرف سے اعتراض کیوں ہوتا۔ کہ کس طرح گواہی دیتے ہو تم بہت بعید تھے۔ اس آیت کا یہی مطلب مولوی احمد رضا خان بریلوی کے مترجم قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھا ہے پھر خدا جانے بریلوی عقیدہ کے مولوی کیوں خواہ مخواہ عام لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

معراج جسمانی کا منکر مسلمان ہے یا کافر

سوال :- ایک آدمی کا عقیدہ ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی معراج نہیں ہوا صرف بذریعہ خواب معراج ہوا ہے اور عذاب قبر کوئی نہیں۔ منکر نکیر سوال و جواب نہیں کریں گے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردے زندہ نہیں کرتے تھے۔ دوبارہ دُنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔ حضرت عزیرؑ دوبارہ زندہ نہیں ہوئے تھے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مُسلمان ہے یا کافر ہے؟

جواب :- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی حالت میں ہوا جو شخص معراج جسمانی نہ مانے وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔ اس کی امامت درست نہیں۔ معراج جسمانی کے ثبوت میں میرا ایک رسالہ ہے۔ جو اس وقت ختم ہے اس کا ملخص مولانا ابو السلام محمد صدیق صاحب سرگودھا نے رسالہ کی شکل میں چھاپ دیا ہے۔

معجزات اور کرامات

سوال :- معجزات کے دکھلانے سے حضرت کا انکار اور خلفاء راشدین کے حالات میں اتنی کرامات کا ذکر نہیں جتنی کرامات دوسرے بزرگوں کے متعلق بیان کی جاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب :- معجزات آپ نے بہت دکھلائے ہیں جنکی تفصیل قرآن و حدیث میں ہے جنگ بدر میں ۳۱۳ کا بغیر سامان جنگ کے ہزار آدمی مسلح پر غالب آنا پھر اسی جنگ میں مسلمانوں کا کافروں کو اپنے سے دوگنا نظر آنا اور مسلمانوں کو کافروں کا تھوڑے نظر آنا یہ معجزہ قرآن میں ہے ہزار فرشتہ بلکہ پانچ ہزار فرشتے کے اُترنے کا بھی ذکر ہے پھر مٹھی بھر کنکروں کا پھینکنا جو سب کفار کی نظر میں پڑ گئی اور چاند کا دو ٹکڑے ہونا یہ بھی قرآن میں موجود ہے احادیث میں بے حساب معجزات کا ذکر ہے اسطرح صحابہؓ کی کرامتیں بھی بے شمار ہیں۔ معجزات اور کرامات حسب ضرورت ظاہر ہوتے ہیں۔ انکی کمی بیشی روحانیت کی کمی بیشی سے نہیں ہوتی بلکہ جیسے جیسے موقع آپڑتے ہیں خدا تعالیٰ خرق عادت کے ذریعہ ان موقعوں کو نبھانا چاہتا ہے تو خرق عادت ظاہر کر دیتا ہے ۔۔۔ رہا بعض دفعہ معجزہ دکھلانے سے انکار تو اسکی وجہ بھی یہی ہے کہ جب دیکھا کہ ضرورت نہیں یا اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا معجزہ دکھلانے سے انکار کر دیا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ